DAILY EXPRESS

روزنامہ ایکسپریس

پبلشر کی چاہت کے مطابق ادب تخلیق کرنے کے خلاف ہوں

یہ کہنا کہ فکشن میں خیال ہی سب کچھ ہے، بچگانہ بات ہے

استاد، ادیب اور مترجم **بلال تنویر** کے حالات و خیالات

پبلشر کے ہدایت نامہ کے مطابق ادب تخلیق کرنے کے خلاف ہوں

یہ کہنا کہ فکشن میں خیال ہی سب کچھ ہے، بچگانہ بات ہے

استاد، ادیب اور مترجم بلال تنویر کے حالات و خیالات

محمود الحسن

انگریزی میں لکھتے ہیں لیکن اردو ادب سے بھی برابر اعتنا کرتے ہیں۔ دونوں زبانوں سے شغف کا فیضان ہے کہ وہ اردو تخلیقات انگریزی میں منتقل کرتے ہیں، اور دوسری جانب انگریزی میں طبع زاد کہانیاں بھی سپرد قلم کر رہے ہیں۔ علمی وادبی حلقوں میں وہ مترجم کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔ وہ ترجمہ نگاری کو بہت زیادہ اہمیت کا حامل سمجھتے ہیں لیکن اپنا پہلا تعارف وہ فکشن نگار کے طور پر کرانا چاہتے ہیں۔ جنوری میں ممتاز ادبی جریدے "گرانٹا" نے New Voices کے عنوان کے زیر تحت ان کی ایک کہانی After That, We Are Ignorant اپنی ویب سائٹ پر شائع کی ہے۔ To Live. کے نام سے ان کی ایک کہانی Too Short Literary Review "Life's" میں چھپ چکی ہے۔ مترجم کی حیثیت سے وہ اس وقت معروف ہوئے جب انہوں نے ابن صفی کی عمران سیریز کے دو ناولوں "خوفناک عمارت" اور "چٹانوں میں فائر" کو انگریزی میں منتقل کیا۔ ممتاز ادیب محمد خالد اختر کے ناول "چاکیواڑہ میں وصال" کو بھی انہوں نے انگریزی قالب میں ڈھال دیا ہے۔

ان دنوں ابن صفی کا احیاء ہو رہا ہے۔ لوگ نئے سرے سے اس مصنف کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ انگریزی زبان کے قاری سے ابن صفی کو متعارف کرانے کا سہرا اس پر عزم نوجوان بلال تنویر کے سر ہے۔ ہم نے ان سے استفسار کیا کہ ابن صفی کو ترجمہ کرنے کا خیال کیسے سوجھا اور دوران ترجمہ کیا مشکلات حائل رہیں؟ کہنے لگے "میں جن دنوں امریکا میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو اس زمانے میں شاعری کے کچھ ترجمے کیے جو اینول آف اردو اسٹ ڈیز میں چھپے۔ مشرف علی فاروقی سے میرا تعارف تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ بھارت کا ایک ناشر ابن صفی کو انگریزی میں ترجمہ کرانا چاہتا ہے۔ ناشر سے رابطہ ہوا اور میں اس کام سے جڑ گیا۔ ابن صفی نستعلیق اور ادبی زبان لکھتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ بہت مقبول تھے۔ یہ کم ہی ہوتا ہے کہ مقبول عام مصنف ادبی اور معیاری زبان لکھے۔ دنیا بھر میں بیسٹ سیلر کی زبان میں شستگی اور ادبی چاشنی نہیں ہوتی، وہ سپاٹ انداز میں لکھتے ہیں لیکن ابن صفی کا معاملہ اس کے بر خلاف تھا۔ ترجمہ کے ضمن میں زیادہ دشواری اس لیے نہیں ہوئی کہ میں نے ایک بنیادی فیصلہ کر لیا تھا کہ میں انگلینڈ اور امریکا میں مقیم لوگوں کے لیے ترجمہ نہیں کر رہا بلکہ میرا جو قاری ہے وہ جنوبی ایشیا سے تعلق رکھتا ہے۔ اس قاری کو اردو پڑھنی نہیں آتی لیکن کسی نہ کسی ذریعہ اردو سے اسے مس ہے۔ مثلاً بہت سے لوگ ہندی سینما کی وساطت سے اردو سے واقف ہیں۔ بعض الفاظ کا ترجمہ میں نے کیا نہیں۔ مثلاً "باپ رے باپ" یا "اوئے" ہے۔ اس پر بعض لوگ معترض بھی ہوئے لیکن میرا موقف یہ رہا کہ ان الفاظ کا ترجمہ کرنے سے مفہوم ادا نہیں ہو سکتا تھا۔ ہر زبان میں کچھ الفاظ ضرور ایسے ہوتے ہیں جن کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ ترجمے کے دوران ابن صفی کے بیٹے احمد صفی کا تعاون حاصل رہا۔ سطر سطر انہوں نے دیکھی۔ لفظ لفظ پر بحث بھی کرتے تھے۔ دوسرے جس شخص نے مسلسل حوصلہ افزائی کی وہ مشرف علی فاروقی ہیں۔" "دی ہاؤس آف فائر" کے سرورق پر ابن صفی کے بارے میں اگاتھا کرسٹی کی رائے نقل ہوئی ہے، جس میں انہیں برصغیر میں جاسوسی ناول لکھنے والا واحد اور بجنل مصنف قرار دیا گیا ہے۔ بلال تنویر نے بتایا کہ اگاتھا کرسٹی کی رائے، کتاب کے ناشر نے شائع کی ہے اور اس میں میرا عمل دخل نہیں۔ یہ بات ان کے لیے بھی موجب حیرت ہے کہ اگاتھا کرسٹی اردو جانے بغیر ابن صفی کے بارے میں، ایسا دعویٰ کیسے کر سکتی تھیں؟ اس لیے وہ اس حوالے کو قابل استناد نہیں سمجھتے۔

ادب میں مصنف کی منشا اور نیت کے تابع رہ کر پڑھنے کو وہ درست نہیں سمجھتے۔ اور تو اور وہ شیکسپیئر اور غالب کو بھی یہ حق دینے کو تیار نہیں کہ وہ لکھنے کے بعد قاری کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے لگیں۔ وہ انگریزی فکشن لکھنے والے جو اپنی کتاب کی اشاعت سے پہلے اور بعد میں میڈیا کے سامنے جلوہ گر ہو کر اپنی تصنیف پر بات کرتے ہیں ان کا عمل آپ کے نزدیک کیسا ہے؟ اس سوال وہ کہنے لگے "وہ لوگ ناول کی تشریح نہیں کرتے۔ وہ یہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے ناول میں کن موضوعات کو چھیڑا ہے۔ یہ عمل میرا خیال ہے کہ مارکیٹنگ کے اعتبار سے بہتر ہوتا ہے۔ میرے خیال میں اس میں مضائقہ نہیں۔" وہ پبلشر کے ہدایت نامہ کو سامنے رکھ کر ادب تخلیق کرنے والوں کے خلاف ہیں۔

ترجمہ میں وہ ابن صفی سے زقند لگا کر جس دوسرے ادیب تک پہنچے وہ محمد خالد اختر ہیں۔ وہ اردو کے اس صاحب طرز ادیب کے مداح ہیں۔ محمد خالد اختر کے ناول "چاکیواڑہ میں وصال" کا ترجمہ ان کے قلم سے ہے۔ یہ ناول فیض احمد فیض کو بھی بہت بھایا تھا اور وہ اس پر فلم بنانے کا بھی ارادہ رکھتے تھے۔ اس ناول کو ترجمہ کے لیے منتخب کرنے اور محمد خالد اختر کے بارے میں وہ بتانے لگے: "بشارت پیر "WordsWithoutBorders" کا پاکستان مصنفین سے متعلق پرچہ ترتیب دے رہے تھے۔ ابن صفی کو وہ پسند کرتے تھے۔ انہوں نے تقاضا کیا کہ میں انہیں ابن صفی کے ترجمہ شدہ ناول کا کچھ حصہ چھپنے کے لیے بھجوا دوں۔ میں نے یہ اس لیے مناسب نہیں سمجھا کہ وہ ناول ہے اور بیانیے کا کچھ حصہ چھپنے سے انگریزی میں تاثر پیدا نہیں ہوگا اور نہ ہی پڑھنے والے اسے صحیح طور پر سمجھ پائیں گے۔ اس کی بجائے میں نے بشارت پیر سے کہا کہ میں محمد خالد اختر کی کوئی چیز ترجمہ کر کے بھجوا دیتا ہوں اور یوں میں نے اس رسالے کے لیے خالد اختر کی تحریر "ماہنامہ الو" کا ترجمہ کیا۔ چھپا تو لوگوں نے اسے پسند کیا اور سراہا۔ اس کے بعد میں نے "چاکیواڑہ میں وصال" کا ترجمہ شروع کیا۔ محمد خالد اختر کی تحریر مجھے بہت بھاتی ہے۔ ان کی تحریر کو ترجمہ کرنا مجھے ابن صفی کی تحریر کے ترجمے سے آسان لگا۔ اس کی وجہ غالباً یہ رہی ہوگی کہ میں نے یہ ترجمہ اپنے شوق سے کیا اور میں ان کی تحریروں کا مداح تھا۔ محمد خالد اختر ایسے کہانی سنانے والے ہیں جن کے بیانیہ پر آپ اعتماد نہیں کر سکتے۔ بڑے لکھنے والے کی طرح ان کی تحریر بھی تہہ دار ہوتی ہے۔ اب "چاکیواڑہ میں وصال" میں جو واحد متکلم قربان علی کٹار ہے وہ بظاہر بہت معصوم ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو وہ اتنا معصوم اور سادہ نہیں ہے۔ خالد اختر کی نثر میں تازگی اور شرارت ہے۔ محمد خالد اختر کا انگریزی ادب کا بہت گہرا مطالعہ تھا۔ وہ خود بھی بیان کرتے تھے کہ وہ سوچتے انگریزی میں، لیکن لکھتے اردو میں ہیں۔ P.G.Wodehouse سے وہ متاثر بھی بہت تھے اور ان کی تحریر میں اس سے جیسی جان بھی موجود ہے۔"

مشتاق احمد یوسفی کی تحریروں کو بھی وہ شوق سے پڑھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کی تحریر میں مضمون، کہانی اور تذکرے کا ذائقہ موجود ہوتا ہے اور ان تینوں چیزوں کے ملاپ سے ہی وہ اپنی تحریر کو اس قدر جاندار بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں کہ پڑھنے والا مسحور ہو کر رہ جاتا ہے۔

محمد خالد اختر کے بقول یوسفی صاحب کی نگارش، سجی سجائی، پر تکلف اور مشقت سے تراشی ہوئی ہوتی ہے؟ اس معاملے میں وہ اپنے ممدوح محمد خالد اختر کی رائے سے خود کو متفق نہیں پاتے۔ وہ بتاتے ہیں "قلم کار کا کمال یہ ہے کہ وہ آورد سے کام لے لیکن وہ آورد تحریر میں جھلکنے نہ پائے۔ اگر تحریر چھپنے سے پہلے مصنف اس پر وقت لگاتا ہے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ اس سے اس کی کمٹمنٹ کا اظہار اور یہ پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے لکھے کو حرف آخر نہیں سمجھتا۔ ٹالسٹائی نے "وار اینڈ پیس" اور اینا کارینینا کو کئی بار لکھا۔ 2004ء میں برطانوی مصنف Hollinghurst. Alan کو اس کے ناول TheLineofBeauty پر بکر پرائز ملا۔ اس کے ناول کے بارے میں کہا گیا کہ یہ ناول ایسے ہے جیسے ترانہ ہوتا ہے۔ یوں جیسے سمفنی بج رہی ہے۔ ہر ذرہ اپنی جگہ آفتاب۔ اس مصنف نے بتایا کہ اس نے کتاب لکھ کر رکھ چھوڑی اور پانچ برس بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ وہ دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ ہوا اور اس کو دوبارہ سے دیکھا اور اس میں تبدیلیاں کر کے کتاب چھپوائی۔ اب سرمد صہبائی کی کتاب "پل بھر کا بہشت" تیس سال بعد آئی ہے تو اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ اس میں آورد ہوگی۔ ایسا نہیں ہے۔ ان کی شاعری میں آمد اور تازگی ہے اور مجھے وہ کتاب بہت پسند ہے۔ یوسفی صاحب اگر اپنی تحریر کے معاملے میں وقت نظر سے کام لیتے ہیں تو وہ حق بجانب ہیں اور تحریر پر بہت زیادہ محنت کرنے کے باوجود ان کی تحریر کی روانی اور بے ساختگی برقرار رہتی ہے۔"

ڈاکٹر نعمان الحق کے انگریزی مضمون کو وہ "اقبال کی بازیافت" کے نام سے اردو میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ علامہ اقبال کے بارے میں وہ کہتے ہیں علامہ اقبال اپنی شاعری کی وجہ سے عظیم ہیں نہ کہ فلسفے کی بنا پر۔ فلسفہ میں ان کا خیال ہے کہ اقبال نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ ان کے خیال میں کسی بھی شاعر کی عظمت کے لیے اس کی شاعری کافی ہوتی ہے اور اسے کسی دوسری بیساکھی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

انگریزی لکھنے والوں میں وہ ارون دھتی رائے کو پسند کرتے ہیں۔ محمد حنیف کے بھی قائل ہیں۔ محسن حامد کی نظریات سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن بطور مصنف انہیں سراہتے ہیں۔ حسین نقوی کے طرز تحریر سے بھی متاثر ہیں۔ نئے لکھنے والوں میں وہ دانیال معین الدین کو سب سے زیادہ سراہتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان کا پہلا پیراگراف پڑھنے والے کو گرفت میں لے لیتا ہے۔ ان کے بقول ان جیسا پہلا پیراگراف لکھنے والا اس وقت دوسرا کوئی نہیں۔

پاکستان میں اردو کی تعلیم سے وہ غیر مطمئن ہیں۔ان کے خیال میں سرکار اردو سے بے اعتنائی کا رویہ روا رکھے ہوئے ہے۔ان کے بقول سر دست دنیا بھر میں انگریزی زبان کے استثنٰی کے سوا اور کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو سرکار کی سرپرستی کے بغیر پروان چڑھ رہی ہو۔

27 سالہ بلال تنویر کراچی میں پیدا ہوئے۔ان کے والد تنویر عالم شمسی کاروبار سے منسلک تھے۔ابتدائی تعلیم کراچی میں حاصل کی۔لمز سے بی ایس سی کیا۔اس کے بعد ایک برس وہ انگریزی اخبار سے متعلق رہے۔سکالرشپ پر امریکا گئے اور کولمبیا یونیورسٹی سے ایم ایف اے رائٹنگ (فکشن) کیا۔واپسی پر لمز یونیورسٹی میں پڑھانے لگے۔ تدریس میں ان کا جی خوب لگتا ہے اور وہ اس سے مطمئن ہیں۔اپنی شخصیت کی تعمیر میں وہ بتاتے ہیں کہ ان کے اساتذہ اور اس ادارے نے جس سے وہ پہلے بطور طالب علم اور اب استاد کی حیثیت سے وابستہ ہیں اس نے بنیادی کردار ادا کیا۔اردو تنقید میں محمد حسن عسکری، شمس الرحمان فاروقی اور شمیم حنفی کی تحریروں کو شوق سے پڑھتے ہیں۔لکھنے پڑھنے کے علاوہ انھیں جس کام کا جنون ہے وہ کلاسیکی موسیقی ہے۔n